مثنوی دول رانی خضر خان میں تیرھویں صدی کے برصغیر کی ثقافتی عکاسی

ڈاکٹر محمد ناصر
صدر شعبہ فارسی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

سحرش شبیر
پی ایچ ڈی سکالر (فارسی)، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

THE CULTURAL REFLECTION OF
SUBCONTINENT IN MATHNAVI DOWAL RANI KHIZR KHAN

Muhammad Nasir, PhD
Chairman Department of Persian
University of the Punjab, Lahore

Sehrish Shabbir
PhD Scholar (Persian)
Department of Persian, University of the Punjab, Lahore

Abstract

Amir Khosrow is one of the greatest Persian poets of the Subcontinent. His knowledge in Arabic, Persian, Turkish and Hindi languages enabled him to employ exotic puns and stunning literary tricks. He was requested by Alaudin Khilji's son Khizr Khan to compose his romance with the princess Dowal Rani, the daughter of Raja Karan of Gujrat. Amir Khosrow composed this long poem of 4200 verses in only four months. He also sang a chorus of praise for the soil and the soul of India. He always seems to prefer the Indian exquisiteness over the beauties of Egypt, Rome, Samarqand and rest of the world. He goes on revealing the charming grace of India, its elegance and diversity. He highly appreciates Indian learning and wisdom in its languages, particularly for Sanskrit which is in no way inferior to Persian. The whole forms a peerless specimen of the masterpiece of the romantic literature.

Keywords: امیر خسرو، سیف الدین محمود، چین، ماوراءالنہر، شاعر، موسیقار

ابوالحسن یمین الدین امیر خسرو دہلوی (۶۵۱ ۔۷۲۵ھ/۱۲۵۳۔۱۳۲۵ء) پٹیالی میں پیدا ہوئے ۔ ''ان کے والد سیف الدین محمود کا تعلق لاچین سے تھا اور وہ ماوراءالنہر کی چغتائی ترک نسل سے تھے'' ۔(ماچیانی،۴۴) ''امیر خسرو دہلوی ایک با کمال شاعر(۱)، نثر نگار(۲)، موسیقار(۳)، ماہر لسانیات(۴)، صوفی(۵)اور درباری(۶) تھے ۔'' (سمنانی،۵۹) انھوں نے ہندوستانی فارسی شاعری کو ایران اور ہندوستان میں نقطہ عروج پر پہنچایا ۔''اہل ایران بھی ان کو اپنی زبان کا ممتاز شاعر تسلیم کرتے ہیں ۔'' (شکیل الرحمن ،۱۰) امیر خسرو پہلے پہل سلطانی اور بعد ازاں طوطی کا تخلص بھی اختیار کرتے رہے ۔وہ طوطی ہند کے لقب سے بھی معروف ہیں ۔(۷) انھوں نے فارسی شاعری کی تقریباً تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ،جن میں غزل،مثنوی اور قصیدہ قابل ذکر ہیں ۔''انھوں نے غزل میں سعدی (۶۰۴ ۔۶۹۱ھ) کا رنگ پیدا کیا ہے تو مثنوی نگاری میں نظامی گنجوی (۵۶۱ ۔۵۸۴ھ) کی یاد تازہ کی ہے ۔'' (حیدری ، ۳۷) ۔(۸) انھوں نے خود اپنی زندگی میں شاعری کے پانچ دواوین (۹) مرتب کیے جن میں سلاطین دہلی کے قصاید بھی شامل ہیں ۔''ان سے پہلے فارسی کے کسی شاعر نے یہ کام نہ کیا تھا ۔'' (عبدالعلیم ،۱۳) ''وہ فن شاعری کے علاوہ بہت بڑے صوفی اور صاحبِ وجد وحال بھی تھے ۔عشق حقیقی کے علاوہ عشق مجازی سے بھی آگاہ تھے اور عشق ومحبت کی چاشنی سے بھی خوب آشنا تھے ۔'' (فرشتہ،۲۳۴)

امیر خسرو نے نظامی گنجوی کی پیروی میں خمسہ لکھنے کے علاوہ تاریخی مثنویوں کی صورت میں ایک ایسا علمی کارنامہ انجام دیا جس کی نظیر نہیں ملتی ۔(۱۰) انھی تاریخی مثنویوں میں سے ایک مثنوی دول رانی خضر خان ہے جو کئی اعتبار سے ممتاز ومنفرد حیثیت کی حامل ہے ۔امیر خسرو نے اپنی اس یادگار مثنوی میں بالخصوص برصغیر کی زبان،تہذیب اور ثقافت کی عکاسی جس بھرپور اور جذباتی انداز میں کی ہے،اسے درحقیقت ہندوستانی سرزمین کا زوردار قصیدہ ہی کہا جا سکتا ہے ۔شاید ہی کسی اور شاعر، ادیب یا مؤرخ نے تیرھویں صدی کے برصغیر کی ثقافت کو اس طرح اجاگر کیا ہو ۔

''دول رانی خضر خان ،عشقیہ ،عاشقیہ ،اورمنشور شاہی ایک ہی تصنیف کے مختلف نام ہیں ۔ منشور شاہی خاتمہ کے ذیل میں شعر سے ماخوذ ہے ۔'' (وحید مرزا،۱۸۹)

به حمد الله که از عون الٰهی　　　به پایان آمد ایں منشور شاهی

(امیر خسرو، دول رانی خضر خان،۳۰۵)

اس مثنوی کی بنیاد شاعرانہ تخیل سے بڑھ کر حقیقی واقعات پر رکھی گئی ہے ۔مثنوی کا اصلی موضوع عشق ومحبت کا لافانی جذبہ اور اس کا دلنشیں اظہار ہے ۔ یہ سچی داستان ہندوستان کی متعدد تواریخ میں مذکور ہے ۔ البتہ امیر خسرو کے ہاں شاعرانہ بلند پروازی ، صنائع بدائع کا بجا اور فنکارانہ استعمال، قوت تخیل اور

محاکات اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں۔ روایت کے مطابق ایک روز شہزادہ خضر خان نے امیر خسرو کو اپنے حضور طلب کیا اور راج کماری دول رانی سے اپنے عشق کی دلدوز داستان کو بڑی دلسوزی سے بیان کیا اور ان واقعات سے وابستہ اپنا روزنامچہ بھی اس خواہش کے ساتھ امیر خسرو کے سپرد کیا کہ وہ اس سچی کہانی کو نظم میں منتقل کریں۔(۱۱)''انھوں نے اس کام کو بڑے خلوص سے انجام دیا۔'' (اظہر، محی الدین، ۱۱۱) امیر خسرو کے ذاتی ذوق وشوق کے نتیجے میں یہ مثنوی محض چار مہینے کی قلیل مدت میں پایہ تکمیل کو پہنچی اور (۱۳۱۶ء/۶۹۱ھ) کو مکمل ہوئی۔

به قدر چار ماه و چند روزی فروزان شد چنین گیتی فروزی

(امیر خسرو، ایضاً)

یہ مثنوی سلطان علاءالدین کے بڑے بیٹے خضر خان اور گجرات کے راجہ کرن کی بیٹی دول رانی کے عشق و محبت کی سچی داستان ہے۔ مثنوی دول رانی خضر خان کی ایک نادر خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ہندوستان کی تاریخ، تہذیب و تمدن، لسانیات، رسوم و رواج اور حتی کہ جغرافیہ سے متعلق از حد مفید معلومات ملتی ہیں۔ اس مثنوی کے آغاز میں ایک باب ہندوستان کی سرزمین سے متعلق ہے۔ اس باب میں امیر خسرو کی شاعرانہ رومانویت اور اشعار کی دلفریبی قاری کے دل کو چھو لیتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ امیر خسرو کو اس ملک کے عوام الناس، ان کی روایات، رسومات، زبان، موسیقی اور ان کے لباس، رہن سہن اور انداز زندگی سے بخوبی آگاہی اور بے پناہ دلچسپی تھی۔ زیر نظر مقالے میں مثنوی دول رانی خضر خان میں تیرھویں صدی کے برصغیر کی تہذیب و ثقافت کے اظہار کو موضوع بنایا گیا ہے۔

ہندی زبان، صرف ونحو، معانی و بیان

امیر خسرو ہندی زبان سے والہانہ لگاؤ رکھتے تھے اور اسی غیر معمولی پسندیدگی ہی کے باعث انھوں نے ہندی زبان میں بہت سے دوہے، نظمیں اور گیت وغیرہ لکھے۔ آج صدیوں کا عرصہ گزرنے کے بعد یہ امر ثابت شدہ ہے کہ امیر خسرو نے ہندی شاعری کو فارسی کے علم عروض اور بحور و اوزان سے روشناس کروایا۔ اس بات کی اہمیت ذیل کے اشعار سے بھی عیاں ہے:

غلط کردم گر از دانش زنی دم نه لفظ هندی است از پارسی کم

به جز تازی که میر هر زبان است که بر جمله زبان ها کامران است

و گر غالب زبان ها در ری و روم کم از هندی ست شد ز اندیشه معلوم

عرب در گفت دارد کار دیگر که نامیزد درو گفتار دیگر

به نقصان ست لفظ پارس در خورد که بی آچار تیزی کم توان خورد

(امیر خسرو، دول رانی خضر خان، ۴۱-۴۲)

امیر خسرو ہندی یا سنسکرت کو دنیا کی کسی بھی زبان سے کمتر نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر چہ عربی کو ام اللسان کا درجہ حاصل ہے لیکن عربی کے علاوہ یہ دیگر تمام زبانوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ جس طرح عربی میں کسی اور زبان کی آمیزش نہیں ہوسکتی، اسی طرح ہندی زبان میں بھی کسی اور زبان کی ملاوٹ خوشگوار معلوم نہیں ہوتی، البتہ فارسی زبان میں یہ لچک پائی جاتی ہے کہ اس میں عربی زبان کی آمیزش تقریباً ناگزیر ہوچکی ہے۔

صرف ونحو وہ علم ہے جس میں لفظوں کے جوڑ توڑ کے اصول، ان کے بولنے اور استعمال کا قاعدہ بیان کیا جاتا ہے۔ امیر خسرو کے بقول ہندی صرف ونحو کے اصول وضوابط بھی عربی کے قواعد کی مانند اور دیگر تمام زبانوں کے مقابلے میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں:

گر آئین عرب نحو ست و گر صرف　　ازان آئین درین کم نیست یك حرف

(ایضاً،۴۲)

علم بیان کے معنی واضح اور روشن کرنے کے ہیں۔ یہ محاسن کسی بھی تحریر میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ علم بیان کے مناسب استعمال سے کسی تحریر کی فصاحت و بلاغت کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے بھی ہندی زبان دیگر زبانوں سے ہرگز کمتر نہیں۔ بقول امیر خسرو:

و گر پرسی بیانش از معانی　　دران نیز از دگر ها کم ندانی

اگر از صدق و انصافت دهم شرح　　حد هندی کنی گفتار من جرح

(ایضاً،۴۲)

امیر خسرو کی رائے کے مطابق ہندی زبان علم معانی و بیان کی رو سے بھی بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اگر حق وانصاف اور سچائی سے کام لیا جائے تو ہندی زبان کا شمار انتہائی فصیح و بلیغ زبانوں میں کیا جانا چاہیے، چونکہ اس زبان کے علم معانی و بیان کے محاسن بھی کسی دوسری زبان سے کسی بھی طرح کم نہیں ہیں۔

رسومات عروسی

امیر خسرو نے مثنوی دول رانی خضر خان میں سلطان علاء الدین خلجی (۱۲۶۷۔۱۳۶۱ء) (عہد حکومت: ۱۲۹۶۔۱۳۱۶ء) کے بیٹے شہزادہ خضر خان کی ملکہ جہاں کے بھائی الپ خان کی بیٹی سے شادی کی شاندار اور شاہانہ رسومات کو بالتفصیل اور نہایت دلکش اسلوب میں بہ نحو احسن بیان کیا گیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ تہذیب وثقافت کے بیان میں امیر خسرو کے قلم نے نہایت شیرینی اور دل انگیزی کا ثبوت دیا ہے۔ بالخصوص ان اشعار کی بدولت تیرھویں صدی عیسوی کے برصغیر میں شاہی گھرانوں اور طبقۂ اشراف میں شادی بیاہ کی رسومات کا بخوبی جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ اس دور کی تہذیبی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اہل ذوق قارئین کے لیے مثنوی کا یہ حصہ کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ امیر خسرو کے شاعرانہ

اسلوب نے گویا ان رسومات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امر کر دیا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی تہذیبی تاریخ ان اشعار کے بغیر ادھوری اور بے رنگ محسوس ہوگی۔

تزئین و آرائش اور ذوق جمال

اس شاہی عروسی کے لیے ساز و سامان کی تیاری کا سلسلہ مراسم سے تین سال قبل ہی شروع کر دیا گیا تھا اور پھر اس عظیم الشان تقریب کی مناسبت سے دارالحکومت کے سبھی چھوٹے بڑے گلی کوچوں کی تزئین و آرائش بہت اہتمام سے کی گئی، جس کا برملا اظہار امیر خسرو نے کچھ اس انداز میں کیا ہے:

اشارت کرد تا در گردش دهر　　بیا رایند یکسر کشور و شهر
چنان در نغمه و شادی شد آفاق　　که در رقص آمد این نه سقف و شش طاق
به گردا گرد قصر پادشاهی　　بر آمد قبه از مه تا به ماهی
مرصع پرده ها چون چرخ ز انجم　　شده انجم دران دُرّ و گهر گم
به هر جانب که مردم بر زمین رفت　　همه بر فرش دیبا های چین رفت

(ایضاً، ۱۵۳۔۱۵۴)

حکم صادر ہوا کہ سارے شہر بلکہ ملک بھر کی سجاوٹ کا خوب اہتمام کیا جائے۔ اس حکم کے بموجب ہر طرف خوشیوں کے شادیانے بجنے لگے، رقص و موسیقی کی محفلیں سجنے لگیں، گویا ساری مملکت رنگ و نور کے سیلاب میں نہا گئی، ہر سو چاندنی بکھیر دی گئی، زر و جواہر سے مرصع پردے آویزاں کر دیے گئے، در و دیوار پر نقوش اور تصاویر بنائی جانے لگیں، یہاں تک کہ روشنیوں کی برسات میں چاند اور ستارے بھی اپنی کشش کھو بیٹھے۔

ذرائع تفریح

اس شاہی جشن میں عوام کی تفریح طبع کے لیے شعبدہ باز بھی کسی سے پیچھے نہ رہے۔ انھوں نے اپنے دلچسپ کرتبوں اور دلفریب شعبدوں سے بڑوں، بچوں اور بوڑھوں کو یکساں محظوظ کرنے کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ گویا سارا ماحول سرور و انبساط کی کیفیات سے لبریز ہو گیا۔

شد در تیغ رانی تیغ رانان　　دو کرده مو دو موی چون جوانان
فرو برده مشعبد تیغ چون آب　　چو مستسقی که نوشد شربت ناب
ببینی تیز کزلك را فرو خورد　　چو آبی کز ره بینی خورد مرد
نموده چهره بازان گونه گون ریو　　گهی خود را پری کرده، گهی دیو

(ایضاً، ۱۵۴۔۱۵۵)

اس شاہی جشن کو چار چاند لگانے کی غرض سے بہادر نوجوان بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے

کے لیے آگے بڑھے۔شادیانوں کی گونج میں شمشیر زنی کے مقابلے منعقد ہوئے۔نیزہ بازی، تیراندازی اور خنجر زنی کے جوہر دکھائے گئے۔عوام کی تفریح کے لیے شعبدہ بازوں نے نت نئے کرتب ایجاد کیے۔ان میں سے کوئی ہوا میں گیندیں اُچھالتا تو کوئی تلوار کی دھار کو پانی کی طرح حلق سے نیچے اتار لیتا اور کوئی ناک کے راستے چاقو اپنے اندر جسم کے اندر لے جاتا۔بہروپیے بھی طرح طرح کے سوانگ بھرتے اور کبھی کسی پری اور کبھی کسی دیو کی شکل اختیار کر لیتے۔

محافل عیش وطرب

ہندوستان کے روایتی ناچ گانوں کی محفلیں خوب سجائی گئیں، جن سے سبھی بھرپور لطف اندوز ہوئے۔شادمانی کی ان محفلوں نے جشن کی رونقوں کو دوبالا کر دیا۔امیر خسرو ان محفلوں کا ذکر کچھ اس انداز میں کرتے ہیں:

به هر لحن آدمی هم زیست و هم مُرد	که در هر نغمه هم جان داد و هم بُرد
پری رویانِ هندی جادویی ساز	زلب کرده در دیوانگی باز
لباس دیو گیری شان تنك دام	پری را سایه بگرفته در اندام
گرفته چون پیاله تال در دست	نه از می، کز سرود خویشتن مست

(ایضاً،۱۵۶،۱۵۸)

موسیقاروں نے سُر اور سنگیت کے رنگ جمائے۔سازندوں نے مدھر دھنیں بکھیریں۔گلوکاروں نے لحن داؤدی کی یاد تازہ کر دی اور ایسے ایسے نغمے الاپے کہ سامعین کو مسحور کر دیا۔ایک ایک الاپ پر سننے والا مدہوش ہو ہو جاتا۔سُر اور تال کا ایسا امتزاج کم ہی کسی نے دیکھا ہوگا۔ہر طرح کے آلات موسیقی جیسا کہ چنگ اور رباب، دف اور طبلہ، بربط اور طنبورہ کے ذریعے ہنر نمائی اور جلوہ گری کی گئی۔

دلکش اور مرصع لباس زیب تن کیے ہوئے پری چہرہ رقاصائیں اپنے فن سے لوگوں کا دل لبھاتیں۔ان کی پلکوں کے تیروں سے سینے چھلنی ہو ہو جاتے۔جب وہ کھلکھلا کر ہنستیں تو تماشائیوں کو اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوتی۔ان کے رخساروں پر مرجان کا گمان گزرتا، ان کے ابرو کمند کی طرح دکھائی دیتے، وہ اپنی زلفیں لہراتیں تو گویا رات کی سیاہ چادر ہر سو پھیل جاتی، چاہ زنخداں میں انھیں اپنے دل ڈوبتے ہوئے محسوس ہوتے، اور دیکھنے والے اس دلفریب کیفیت میں اُن رقاصاؤں پر بے پناہ روپے نچھاور کرتے۔

مجالس پندوموعظت

محافل رقص وسرود اور بزم ہائے عیش وطرب کے برپا کرنے کے ساتھ ساتھ مجالس پندوموعظت کا اہتمام بھی بڑے سلیقے سے کیا گیا تھا تاکہ عوام الناس کی اخلاقی تربیت کا پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔اس ضمن میں

دروس قرآن مجید اور احادیث نبی کریم ﷺ کی تدریس کے لیے متعدد خیمے سجائے گئے تاکہ وہاں علمائے دین وشریعت لوگوں کو صراط مستقیم پر رہنے کی تلقین کرتے ہوئے ان کے دینی و دنیاوی مسائل کو حل کرنے کی سعی کریں۔ اس بابت امیر خسرو کی شیریں بیانی ملاحظہ فرمائیے:

فـــراوان قبـــه هـــا از اهـل پـــرهيـــز	شـــده آواز قـــرآن آســـمـــان خيـــز
بـــه جـــا ن هـــا لحن داؤدی نشـانده	كتـــاب مـصـطـفـیٰ بی لـحن خوانده

(ایضاً، ۱۶۰)

اس تقریب کے منتظمین کا ذوق اور سلیقہ قابل داد و تحسین تھا کہ انھوں نے اس عروسی کے مراسم میں متدین اور متقی افراد کے لیے الگ سے خیمے لگوائے، جہاں سے تلاوت قرآن مجید کی نورانی صدائیں بلند ہوتیں اور یوں گمان گزرتا کہ گویا رحمت کے فرشتے ان خیموں کا طواف کر رہے ہوں۔

جلوس عروسی

شادی کا جلوس بھی غیر معمولی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ اس کا تذکرہ امیر خسرو نے کچھ اس انداز سے کیا ہے:

شـه و شهـزاده شـمس الحق كه جاويد	جهـــان را بـــاد چـون تـابنده خورشيد
چـنـان شـد بـانگ بسـم الـلـه سوی ماه	كـــه گـفتـنـد اختـران الـحـمـد لـلـه
عـــمـــاری هـــای زريـن گـوهـر آمـود	مـــلـــمـــع چـــرخ را كـــرده زر انـدود
بـگـــردش تيـغ و خـنـجـر دستـه دستـه	ره چشـــم بـــد، از پـــولاد بستـــه
بـــه دور حـــلـــقـــه هـــای آسـمـــانی	مـــلك در خـــوانـــدن سبـع الـمثـانـی
به ترتيب آن چنان كه اقبال می خواست	نشستـنـد اهـل اقبـال از چپ و راست

(ایضاً، ۱۶۱۔۱۶۲)

جب ماہرین نجوم نے جلوس عروسی کی روانگی کے لیے مبارک ساعت کا تعین کیا تو شہزادہ شمس الحق خضر خان بسم اللہ پڑھ کر توانا اور برق رفتار گھوڑے پر سوار ہوا۔ تمام امراء اور اشراف بارات کے ساتھ پیادہ ہو لیے۔ اس شاہی جلوس میں ہاتھی بھی شامل تھے جن پر زریں عماریاں باندھی گئی تھیں اور ان کے چاروں اطراف میں سپاہی ہاتھوں میں برہنہ تلواریں اور خنجر لیے ہوئے ایستادہ تھے۔ یعنی وہ اپنی دانست میں نظر بد کا راستہ روکے ہوئے تھے۔ تمام راستے میں قیمتی موتی اور جواہرات نچھاور کیے جاتے رہے۔ جب یہ جلوس دلہن کے والد الپ خان کے گھر پر پہنچا تو شہزادہ یعنی دلہا مسند پر بڑی شان سے جلوہ افروز ہوا اور امراء اپنے اپنے رتبے کے مطابق اس کے دائیں بائیں تشریف فرما ہو گئے۔

رسم نکاح

نکاح کی مقدس رسم بھی بے حد تزک واحتشام سے انجام پائی۔ امیر خسرو نے اس موقع پر کہے گئے اشعار میں بھی ہندوستانی تہذیب وثقافت کی بھرپور نمائندگی اور جی بھر کر ستائش کی ہے۔ گویا موقع کی مناسبت کا حق ادا کر دیا ہے:

بہ مقداری کہ ملکی را بود نقد	بہ هم بست آفتاب و ماه را عقد
نثار افگن رسیدند اهل درگاه	زخرمن های گوهر تنگ شد راه
بہ هر کس هدیہ دادند از خزاین	خراج مصر و محصول مداین

(ایضاً،۱۶۳)

ستارہ شناسوں کی تائید سے نیک گھڑی میں نکاح کا خطبہ پڑھا گیا اور ایک گراں قدر مہر پر دونوں کا عقد ہوا۔ اظہار مسرت کے لیے اس موقع پر موجود تمام لوگوں پر دل کھول کر موتیوں اور جوہرات کی بارش کی گئی اور سبھی کو قیمتی انعامات اور تحائف سے نوازا گیا۔ مراسم نکاح کے بعد یہ شاہی جلوس اسی ترتیب سے واپسی کے لیے روانہ ہوا۔

رسومات رخصتی

ہندوستانی تہذیب میں شادی کے موقع پر رخصتی کی رسومات کو خاص اہمیت حاصل ہے، بلکہ انھیں برصغیر کی غنی ثقافت کا لازمہ کہا جانا چاہیے۔ امیر خسرو اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے۔ پس انھوں نے ان واقعات کو بیان کرنے میں اپنی بہترین شاعرانہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے۔ ذرا ان کا حسن بیان اور شاعرانہ لطافت تو دیکھیے:

سریری سر بہ اوج ماه برده	مهش خورشید را از راه برده
نهاده کرسی ای بر گوهرین فرش	کہ بود آن همسر و هم پایۂ عرش
بر آن کرسی نشست از رسم شاهان	چو بر چرخ آفتاب صبح گاهان
پدید آمد مهی کاندر نظاره	دل مہ پاره شد زان ماه پاره

(ایضاً،۱۶۸)

تمام تر رسومات اور مراحل سے گزرنے کے بعد شہزادہ خضر خان رات کے دوسرے پہر محل میں داخل ہوا۔ فرش پر ایک نہایت اعلیٰ مسند بچھائی گئی تھی، جس پر شہزادے کو بٹھایا گیا اور بارِ دیگر ہر طرف سے موتیوں اور جوہرات کی برسات کی گئی۔ دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا ان پر ستاروں کی بارش ہو رہی ہو، اور یوں گمان گزرتا تھا کہ چاند بادلوں کی اوٹ سے باہر نکل آیا ہو۔

ہندوستانی حسن و جمال

امیر خسرو ہندوستانی دوشیزاؤں کے حسن و جمال کے بھی فریفتہ و دلدادہ ہیں اور انھیں بہرصورت دیگر خطوں کی حسیناؤں پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے مطابق ہندوستانی حسن میں بے حد تنوع پایا جاتا ہے۔ یہاں کا حسن دلکش، دلفریب اور مسحور کن ہے۔ گندمی رنگ کی ستائش نسبتاً دشوار ہوتی ہے لیکن امیر خسرو نے اس موقع پر بھی انوکھا انداز اپنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہندوستانی حسیناؤں کی آنکھیں سیاہ ہوتی ہیں اور سیاہ آنکھوں میں لگایا گیا سیاہ سرمہ ان کی دلربائی میں اضافہ کر دیتا ہے۔ ان کی رائے میں سفید رنگت میں ویسی ملاحت نہیں پائی جاتی۔ اسی بنا پر وہ ہندوستانی حسن و جمال کے لیے بے ساختہ کی ترکیب استعمال کرتے ہیں۔

بتـان هـنـد را نسبـت هـمین اسـت — به هر یك موی شان صد ملك چین است
چــه گیــری نـام از یـغـمـا و خـلـخ — کــه غــالــب تیــز چشم اند و تـرش رخ
چــه یــاد آری سپید و سُـرخ را روی — چـو گـل هــای خـراسـان رنگ بـی بوی
و گــر پـرسـی خبـر از روم و از روس — ازیشـــان نیــز نــایــد لابـــه و لــوس
سپیــد و ســرد هـمـچـو کـنـده یخ — کـــزیشـــان رم خـورد کـــانـون دوزخ

(ایضاً، ۱۳۳)

امیر خسرو نے تو ہندوستانی حسن و جمال کے سامنے خراسانی اور وسطی ایشیائی خوبصورتی کو بھی رد کر دیا ہے۔ ان کی رائے میں اس خطے کی حسینائیں تیز چشم اور ترش رو ہوتی ہیں۔ وہ ہندوستانیوں کی دلکشی کو مصر، روم، قندھار اور سمرقند بلکہ دنیا بھر کے حسن پر فوقیت دیتے ہیں اور اپنی رائے کے اثبات کے لیے طرح طرح کے دلائل بھی لاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگرچہ اہل خراسان سرخ و سفید ہوتے ہیں، لیکن سرخی و سفیدی تو بے جان پھولوں میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ پس خراسانی ان پھولوں کی طرح ہوتے ہیں جو دیکھنے میں تو دل لبھاتے ہیں لیکن ان میں خوشبو نہیں پائی جاتی۔ اس طرح روسیوں اور رومیوں میں عاجزی و انکساری نہیں پائی جاتی۔ تاتاریوں کے لبوں پر مسکراہٹ نہیں ہوتی۔ ختن کے حسن میں ملاحت کا گزر نہیں ہوتا۔ سمرقند اور بخارا کی خوبصورتی میں شیرینی نہیں پائی جاتی۔ جبکہ مصری اور رومی ہندوستانیوں کی طرح چُست و چالاک نہیں ہوتے۔

گل ہائے ہندوستان

امیر خسرو ایک نہایت صاحب ذوق شاعر تھے اور فطرت سے محبت ان کی شخصیت میں رچی بسی تھی۔ محل کے شاہی باغ کی تعریف کرتے ہوئے انھوں نے بہت سے پھولوں کا ذکر کیا ہے اور ان کی خصوصیات بھی بڑی وضاحت سے بیان کی ہیں۔ مثنوی دول رانی خضر خان میں جن پھولوں کا ذکر ملتا ہے ان میں سوسن، سمن، بنفشہ، کبود، بیلا، گل زریں، گل سُرخ، گل ریحان، گل کوزہ، گل لالہ، گل سفید، سپرغم، صد برگ،

نسترن، یاسمین، دونہ، کرنہ، نیلوفر، ڈھاک، چمپا، جوہی، کیوڑا، سیوتی، گلاب اور مولسری وغیرہ شامل ہیں۔ وہ گل صد برگ اور گل کوزہ کا تعارف کچھ اس طرح سے کرواتے ہیں:

ز گــل هــای تـر هـنـدوسـتـان هـم — شـده سـر گـشـتـه بـاد و بـوسـتـان هـم
بــه تــری آب را در کـوزه کـرده — لـطــافــت آب ازو دریـوزه کـرده
گـل صـد بـرگ را خـوبی ز حد بیـش — نـمـوده صـد ورق دیـبـاچـهٔ خویـش

(ایضاً،۱۲۹۔۱۳۰)

گل کوزہ کی تعریف میں کہتے ہیں کہ اس میں شفاف پانی کی سی لطافت پائی جاتی ہے، لیکن پانی تو خود اپنی لطافت اسی پھول سے لیتا ہے۔ گل صد برگ کی ستائش کچھ یوں کی ہے کہ یہ پھول سو پتیوں پر مشتمل ہوتا ہے اور اپنی آب وتاب سے دیکھنے والوں پر سحر طاری کر دیتا ہے۔ امیر خسرو ان دونوں پھولوں کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر چہ دونوں پھولوں کے نام فارسی زبان سے مستعار لیے گئے ہیں لیکن درحقیقت یہ دونوں پھول ہندوستانی سرزمین ہی کی نشانی ہیں۔

اگـر چـه پـارسـی نـام اند این هـا — ولـی در هـنـد زادنـد از زمیـن هـا

(ایضاً،۱۳۰)

بیلا اور جوہی کے بارے میں فرماتے ہیں:

از یـس سـو بیـل پیشـانـی کشـاده — بـه یك گـل هـفـت گـل بر هم نهـاده
و زان سـو دل ربـای عـاشـقـان جای — هـمـه تـن بهـر دل هـا را شده جـای

(ایضاً)

بیلا کی پیشانی بہت وسیع ہوتی ہے۔ گویا ایک پھول میں سات پھول ہوتے ہیں۔ جوہی کی خوشبو کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی خوشبو بے حد دلربا ہوتی ہے اور عاشقوں کے دلوں میں جگہ پاتی ہے۔ گل کیوڑہ کی خوبصورتی کو کچھ اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

بـه خـوبـی کیـوره جـا در لحـافـش — سـنــان نـقـره و ز میـنـا غـلافـش
صبـا هـر گـل کـه کـرد ه هم عنانش — سپـر افـگـنـده از نـوك سـنـانــش
ز بــویــش حــلــه خـوبـان مـعـطـر — دو سـالـه خشك و بـویش هم چنان تر
هـر آن جـامـه کـه از وی بو گرفتـه — دریـده جـامــه و بــویــش نـرفتـه

(ایضاً)

یعنی کیوڑہ سے معشوقوں کا لباس معطر ہو جاتا ہے۔ کپڑا تو پھٹ سکتا ہے لیکن اس کی خوشبو کم نہیں ہوتی۔امیر خسرو نے رائے چمپا کی تعریف بھی بہت انوکھے انداز میں کی ہے:

دگر آن رای چمپا شاه گل ها　　که بویش مشك بار آمد چو مُل ها
چو معشوق سمن بر ناز پرورد　　ولی رنگش چو روی عاشقان زرد
چو پیکانِ زر و بدریده آسان　　به پیکان صف گل های خراسان
به روغن پرورندش بهر سر ها　　که سر از مشك تر گیرد اثر ها
(ایضاً،۱۳۱)

وہ رائے چمپا کو پھولوں کا بادشاہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی خوشبو یوں محسوس ہوتی ہے کہ جیسے کسی نے مشروب میں مشک کو گھول دیا ہو۔گل دونہ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

دگر دونه که آن ریحان هند است　　ز تـرّی بوش در خورد پسند است
سپرغم رنگ و برگش اسپرغم　　غلام او شده شاه سپرغم
(ایضاً،۱۳۲)

امیر خسرو نے گل دونہ کو ہندوستانی ریحان کے نام سے پکارا ہے۔انھیں اس پھول کی خوشبو بے حد پسند ہے۔گل کرنہ بھی ان کے پسندیدہ ترین پھولوں میں شامل ہے۔اس کی ستائش میں کہتے ہیں کہ جب گل کرنہ کی خوشبو ہر سو پھیلتی ہے تو کوچہ و بازار کو بھی معطر کر دیتی ہے:

دگر کرنه که چون زو جست بوی　　معطر گردد از یك خانه کوی
بسوده مشك و بویش نام کرده　　ز بو از بهر دل ها دام کرده
(ایضاً)

گل سیوتی کے ذکر میں بیان کرتے ہیں کہ زنبور اس پُھول کی محبت میں اپنی جان سے گزر جاتی ہے اور مرنے کے بعد بھی کسی عاشق ہی کی طرح اسی سے لپٹی رہتی ہے۔گویا گل سیوتی محبوبوں کا محبوب قرار پاتا ہے:

چو پیکانِ هلیله سیوتی خرد　　که جان ها بهر آن پیکان هوس برد
ز عشق بوی او جان داده زنبور　　نگشته بعد مردن نیز ازو دور
همه خوبانش عاشق وار جویان　　که معشوقی است نزد خوب رویان

امیر خسرو ہندوستانی پھولوں کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں کہ یہاں کے پھول رنگ و خوشبو ہر دو اعتبار سے دنیا کے تمام پھولوں سے اعلیٰ و ارفع ہیں۔غالباً جنت میں بھی ایسے ہی پھول دیکھنے کو ملیں گے۔وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایسے دلکش پھول روم و شام میں ہوتے تو وہاں کے لوگ دنیا بھر کو ان کی تعریف سے معطر کر دیتے:

چـــه بیـنـی ارغـوان و لالــه خـنـدان | که رنگی هست و بوی نیست چندان
گـل مـا را بـه هند ی نام زشت است | و گـر نـه هـر گـلـی با غ بهشت است
گـر ایـن گـل خاستی در روم و شام | کــه بـودی پــارســی یـا تـازیـش نـام

(ایضاً)

آم اور انجیر کا موازنہ

آم کو ہندوستان کی سوغات اور عرف عام میں پھلوں کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ اس کا سنہرا رنگ اسے دیگر تمام پھلوں سے ممتاز تر بنا دیتا ہے۔ یہ نہایت رسیلا اور خوش ذائقہ پھل اپنی خاص مٹھاس اور حلاوت کے لیے مشہور ہے۔ امیر خسرو نے اپنی فارسی شاعری میں جا بجا آم کی تعریف کی ہے اور اسے فخرِ گلشن کا نام دیا ہے۔ غالباً وہ تمام پھلوں میں آم ہی کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ اس کا اظہار مندرجہ ذیل اشعار میں بھی ملتا ہے:

و گـر کس سوی خود گردد جهت گیر | نهــد کــم نــغــرك مــا را ز انـجـیـر
بــه از مـن خـود نیـارد بـود وصّـاف | کــه مـن حـجـت سرایم، او زند لاف
بهشتـی فــرض کــن هـنـدوسـتـان را | کـزان جـا نسبـت است این بوستان را
و گـــرنـــه آدم و طـــاؤس زان جـــای | کـجـا ایـنـجـا شـدنـدی منـزل آرای

(ایضاً، ۴۳۔۴۴)

امیر خسرو نے دنیا کے محبوب پھل انجیر اور آم کا موازنہ کرتے ہوئے بھی آم کو فوقیت دی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ ہندوستانی تہذیب اور پھلوں پھولوں کی بے جا تعریف ہرگز نہیں کرتے، بلکہ کوئی بھی منصف مزاج اس امر کی تصدیق ہی کرے گا۔ البتہ متعصب اور جانبدار افراد سے انصاف کی توقع نہیں رکھی جا سکتی، کیونکہ اندھی عورت کو تو بصرہ بھی ملک شام سے بہتر محسوس ہوگا۔ پس جو شخص اپنے ملک کی بے جا حمایت کرے گا، صرف وہی آم کو انجیر سے کمتر قرار دے گا۔ امیر خسرو فرماتے ہیں کہ ہندوستان کی سرزمین، جنت نشان ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت آدم اور مور کو جنت سے نکال کر یہاں کیوں اُتارا جاتا۔

پان کی اہمیت

پان برصغیر کی تہذیب و ثقافت کا اہم حصہ رہا ہے۔ ہندوستان آنے والے غیر ملکی سیاح بھی پان کا ذکر بہت دلچسپی سے کرتے ہیں۔ پان کی اہمیت کا اندازہ یوں لگایئے کہ امیر خسرو بھی پان کی تعریف کیے بنا نہ رہ سکے۔ انھوں نے مثنوی قران السعدین میں پان کی شان میں متعدد اشعار درج کیے ہیں اور مثنوی دول رانی خضر خان میں بھی پان کا ذکر اہتمام سے کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پان کے پتے کی حیثیت باغ میں ایک

پھول کی سی ہوتی ہے اوراسے ہندوستان میں ایک نعمت تصور کیا جاتا ہے، جبکہ اہل خراسان اس کی اہمیت سے آگاہ ہی نہیں ہیں:

خراسانی کہ هندی گیردش گول | خسی باشد به نزدش برگ تنبول
شناسد آن کہ مرد زندگانی است | کہ ذوق برگ خایی ذوق جانی است

(ایضاً،۴۳)

ہندوستانی پارچہ جات

امیر خسرو برصغیر کی پارچہ بافی سے بھی متأثر ہوئے۔ ہندوستانیوں کی جامہ زیبی مسلمہ حقیقت رہی ہے۔ان کے مطابق پھول جیسے نازک اور حسین لوگ ہی جانتے ہیں کہ ہندوستانی لباس کس قدر خوبصورت اور آرام دہ ہوتا ہے۔ یہاں کا ریشمی کپڑا بے حد نفیس اور باریک ہوتا ہے، گزوں کے گز دکھائی نہیں دیتے حالانکہ اسی پارچے سے دسیوں خیمے لگائے جا سکتے ہیں۔محبوب اس کپڑے کو پسند کرتے ہیں اور یہ کتان سے بھی بہتر ہوتا ہے۔ کپڑے کی ایک اور قسم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر اسے ناخن پر لپیٹ دیں تو دکھائی بھی نہیں دیتا اور اگر اسے کھول دیں تو ساری دُنیا کو ڈھانپ لیتا ہے۔

نکو دانند خوبان پری کیش | کہ لطف دیو گیر ی از کتان بیش
ز لطف آن جامه گویی آفتابی است | و یا خود سایه ای یا ماهتابی است

(ایضاً)

ہندوستانی کپڑے ہی کی تعریف میں مزید فرماتے ہیں کہ سورج کی چمک اور چاند کی ٹھنڈک لیے ہوئے ہے۔ امیر خسرو کے عہد میں دیوگیر پارچہ بافی کا مرکز تھا اور اسی وجہ سے قیمتی پارچہ جات دیوگیری کہلاتے تھے۔(۱۲)

پس بڑے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ امیر خسرو متنوع خصائص اور کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ان کے تمام منظوم ومنثور آثار بالعموم اور سبھی تاریخی مثنویاں بالخصوص برصغیر کی علمی وادبی اور تہذیبی وثقافتی تاریخ کا آئینہ ہیں۔اس عظیم شاعر نے اپنے فن کو مادر وطن کی محبت سے سیراب کیا ہے۔مثنوی دول رانی خضر خان میں تیرھویں صدی کے برصغیر کی تہذیبی وثقافتی عکاسی جس خلوص، محبت اور جذباتی انداز میں کی گئی ہے، امیر خسرو کے معاصرین میں اس کی نظیر ڈھونڈنا مشکل ہے۔

☆☆☆☆☆

حواشی

(۱) امیر خسرو فارسی شاعری کی تاریخ کے صف اول کے چند نامور ترین شعراء میں سے ہیں۔ انھیں برصغیر کے ان چند فارسی گو شعراء میں شمار کیا جاتا ہے، جن کی فنی صلاحیتوں کو خود اہل زبان نے بھی دل و جان سے تسلیم کیا ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے کسی ایک صنف سخن کو اپنانے کی بجائے تمام شعری قوالب میں طبع آزمائی کی اور اپنی اس کاوش میں کامیاب بھی ٹھہرے۔ اس لیے ان کا موازنہ بہ یک وقت قصیدہ گوئی میں فرخی سیستانی (۳۷۰۔۴۲۹ھ)، انوری ابیوردی (متوفی ۵۷۵ھ) اور خاقانی شروانی (۵۲۰۔۵۹۵ھ)، مثنوی سرائی میں نظامی گنجوی (۵۱۶۔۵۸۴ھ) اور عبدالرحمٰن جامی (۸۱۷۔۸۹۸ھ)، غزل گوئی میں سعدی شیرازی (۶۰۴۔۶۹۱ھ) اور حافظ شیرازی (۷۲۸۔۷۹۲ھ) جیسے عظیم المرتبت استادان سخن سے کیا جاتا ہے۔

(۲) امیر خسرو کی نثری کتب میں خزائن الفتوح، اعجاز خسروی اور افضل الفواید شامل ہیں۔

(۳) امیر خسرو اعلیٰ پائے کے موسیقار بھی تھے۔ نہ صرف ان کی شاعری میں موسیقی اور ترنم کی فراوانی ہے بلکہ انھوں نے بہت سے راگ بھی ایجاد کیے ہیں، جن کے بغیر برصغیر کی موسیقی ادھوری لگتی ہے۔ خود تان سین (۱۴۹۳۔۱۵۸۹ء) نے بھی انہیں نائیک یا سردار مانا ہے۔

(۴) امیر خسرو ماہر لسانیات بھی تھے۔ انھیں بہت سی زبانوں پر عبور حاصل تھا جن میں عربی، فارسی، ترکی اور سنسکرت شامل ہیں۔ انہوں نے ہندی زبان میں بہت دوہے، مکرنیاں اور گیت لکھے ہیں۔ ان کے کلام میں عربی اور ترکی کلمات بھی ملتے ہیں۔

(۵) امیر خسرو اپنے وقت کے عظیم صوفی حضرت نظام الدین اولیاء (۶۳۳۔۷۲۵ھ) کے چہیتے مرید تھے۔ سلسلۂ چشتیہ میں ان کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔

(۶) امیر خسرو نے متعدد سلاطین کا دور دیکھا اور تقریباً سبھی حکمرانوں نے ان کی شاعرانہ عظمت کو تحسین ہی کی نظر سے دیکھا۔ انھیں دہلی دربار میں ہمیشہ اونچا مقام حاصل رہا۔

(۷) امیر خسرو کو طوطی ہند کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ فارسی غزل کے عظیم شاعر حافظ شیرازی کا یہ شعر غالباً انھی کی یاد دلاتا ہے:

شکر شکن شوند همه طوطیان هند زین قند پارسی کی به بنگاله می رود (حافظ، دیوان، غزل ۲۲۵)

(۸) امیر خسرو نے نظامی گنجوی کی پیروی میں پانچ مثنویاں لکھیں، جن میں مطلع الانوار، شیرین و خسرو، مجنون و لیلی، آئینہ سکندری اور ہشت بہشت شامل ہیں۔

(۹) امیر خسرو نے اپنی زندگی ہی میں پانچ دواوین بھی مرتب کیے، جن میں تحفۃ الصغر، وسط الحیٰوۃ، غرۃ الکمال، بقیہ نقیہ اور نہایۃ الکمال شامل ہیں۔

(۱۰) امیر خسرو کی تاریخی مثنویوں میں قران السعدین، مفتاح الفتوح، نُہ سپہر، دُولرانی خضر خان اور تغلق نامہ شامل ہیں۔

(۱۱) امیر خسرو نے خضر خان کی خدمت میں پیش ہونے کا احوال کچھ اس طرح سے بیان کیا ہے:

مبارك بامدادی كه اختر روز — شد از نور مبارك گیتی افروز
رسید اقبال پیشانی کشاده — کله بالی پیشانی نهاده
بشارت می دهم کز پردهٔ راز — دری کرد است دولت بهر تو راز
خضر وی مژده ای داد ست جانی — خضر خان را به آب زندگانی

(امیر خسرو، مثنوی دول رانی خضر خان، ۳۷۔۳۸)

(۱۲) دیوگیر کا موجودہ نام دولت آباد ہے۔

منابع

- اظہر، محی الدین (۱۹۸۱ء)، امیر خسرو اور علی گڑھ، نسرین پبلشنگ ہاؤس علی گڑھ
- امیر خسرو (۱۹۱۷ء) آئینہ سکندری، مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ
- ایضاً (۱۸۷۶ء) اعجاز خسروی، مطبع منشی لکھنؤ
- ایضاً (۱۹۴۴ء) افضل الفواید، مطبع رضوی دہلی
- ایضاً (۱۹۴۲ء) بقیہ نقیہ، مطبع قیصریہ، دہلی
- ایضاً (۱۸۹۶ء) تحفۃ الصغر، مطبع قیصریہ، دہلی
- ایضاً (۱۹۳۳ء) تغلق نامہ، مطبع اردو، اورنگ آباد، دکن
- ایضاً (۱۹۲۷ء) خزائن الفتوح، علی گڑھ پرنٹنگ ورکس، علی گڑھ
- ایضاً (۱۹۱۷ء) دول رانی خضر خان، انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ
- ایضاً (۱۹۲۷ء)، شیرین خسرو، مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ
- ایضاً (۱۹۱۹ء) غرۃ الکمال، مطبع قیصریہ، دہلی
- ایضاً (۱۹۱۸ء)، قران السعدین، انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ
- ایضاً (۱۹۶۴ء) مجنون ولیلی، مطبع قیصریہ، دہلی
- ایضاً (۱۹۲۶ء) مطلع الانوار، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
- ایضاً (۱۹۵۴ء) مفتاح الفتوح، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
- ایضاً (۱۹۵۴ء) نہایۃ الکمال، مطبع قیصریہ، دہلی
- ایضاً (۱۹۴۸ء) نہ سپہر، بپٹسٹ مشن پریس، کلکتہ

- ایضاً (۱۹۱۹ء)وسط الحیوۃ،مطبع قیصریہ،دہلی
- ایضاً (۱۹۲۵ء)ہشت بہشت،مسلم یونیورسٹی پریس،علی گڑھ
- حافظ شیرازی(۱۳۷۴شمسی)دیوان حافظ،بہ اہتمام خلیل خطیب رہبر،انتشارات صفی علی شاہ،تہران
- حیدری،عبداللطیف (۲۰۱۵ء) خسرو اقلیم سخن،امیر خسرو،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی
- سمنانی،غلام (۱۹۹۵ء) امیر خسرو،نیشنل بک ٹرسٹ،دہلی
- شکیل الرحمٰن (۱۹۹۶ء) امیر خسرو کی جمالیات،موڈرن پبلشنگ ہاؤس،نئی دہلی
- صباح الدین،عبدالرحمٰن (۱۹۴۴ء)ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں،دارالمصنفین،اعظم گڑھ
- فرشتہ،محمد قاسم (س۔ن)تاریخ فرشتہ،ج یکم،بی نا،چاپ ہند
- ماچیانی(۱۳۹۶شمسی)امیر خسرو دھلوی دُنیای نمایش،آزما،تہران
- مرزا،وحید(۱۹۴۹ء)،امیر خسرو،الہ آباد